قسط ۵

ایمان اور اسکے ثمرات و مضمرات

سورۃ تغابن کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

© rasailojaraid.com

آپ نے دیکھا کہ اس پہلے رکوع میں ایمانیات ثلاثہ کی تفصیل مختلف اسالیب اور پہلوؤں سے بیان ہوئی۔ آفاق و انفس کی آیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی صفتِ قدرت، صفتِ علم اور صفتِ حکمت پر استدلال قائم کئے گئے۔ تاریخ امم سے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے انجام بد سے آگاہ اور خبردار کیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، آپؐ کی سیرت و کردار میں، آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو بطور دلیل پیش کر کے یومِ آخرت کی خبر دی گئی اور پھر ان مسلّمات کے بعد دعوت دی گئی کہ قبول کر دہ ان حقائق کو، تسلیم کر دہ ان حقائق کو، مان لو کہ یہی حقیقتِ نفس الامری ہے، اس کائنات کے یہی حقائق ہیں لہٰذا اللہ پر، اس کے رسولِ امّی پر، آخری کتاب قرآن مجید پر، اور بعث بعد الموت پر ایمان لاؤ اپنے اعمال کو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے مطابق درست کر لو تاکہ یوم الجمع، جمع کرنے کے دن، ہار کی بجائے جیت سے، نامرادی کی بجائے بامرادی سے، ناکامی کی بجائے کامیابی سے، خسران کی بجائے فوز و فلاح سے ہمکنار اور بہرہ ور ہو سکو اور نارِ جہنّم سے چھٹکارا حاصل کر کے جنّتِ عدن میں داخل ہو سکو ــــ

اب ہم دوسرے رکوع کا مطالعہ شروع کرتے ہیں جس میں ایمان کے مقتضیات، متضمنات، مقدّرات اور ثمرات و نتائج کا ذکر ہے اور ایمان کے مضمرات کو کھولا گیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایمان ایک خاص فکر ہے، جس سے انسان کا ایک نقطۂ نظر بننا چاہیئے، اور جب انسان کا زاویۂ فکر (Mental Attitude) تبدیل ہو جائے، اس کا نقطۂ نظر بدل جائے تو اس کی پوری زندگی میں ایک انقلاب آ جانا چاہیئے۔ اگر یہ انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ اسے

© rasailojaraid.com

دو اور دو چار کی طرح سمجھئے۔ تو دو ہی امکانات ہیں یا تو یہ کہ وہ ایمان ابھی صرف زبان تک ہے اس نے انسان کے فکر میں جڑیں نہیں پکڑیں اور وہ انسان کے قلب میں نہیں جما۔ میرے نزدیک کسی انسان کے فکر میں ایمان کا جڑ پکڑنا مقدم ہے اور آخری منزل یہ ہوتی ہے کہ وہ دل میں جم جائے۔ دل میں جم جانے کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کے قول و عمل میں کوئی فرق رہے لیکن اگر فکر کے اندر بھی راسخ ہو جائے تو ایک تبدیلی کا آغاز ہو جانا چاہئیے اور اگر نہیں ہو رہا تو وہ اس بات کی دلیل قطعی ہے کہ ایمان صرف زبان کی نوک پر ہے۔ نہ ابھی اس نے ذہن میں جڑیں پکڑیں، نہ ہی وہ فکر میں راسخ ہوا۔ نہ ہی وہ قلب میں اترا اور نہ ہی اس نے ابھی ایک یقین کی صورت اختیار کی۔ ایک امکان تو یہ ہے۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ وہ شخصیت ہی مریض ہو، ایک Deseased Personality ہو یا اس کی مثال اس زمین کی سی ہو کہ جو بنجر ہو، فاسد ہو، جس میں بہترین بیج بھی بار آور نہیں ہوتا۔ اچھے سے اچھا بیج بھی برگ و بار نہیں لائے گا۔ اور یہ زمین بیج تک کو ضائع کر دے گی، تو اس طرح مریض شخصیت، فاسد شخصیت کے عمل سے ایمان کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ اگر فطرت اپنی صحت پر برقرار ہے تو ابھی ایمان زبان کی نوک پر ہے، نہ وہ ذہن میں اترا، نہ فکر میں رچا بسا، اور نہ قلب میں اترا اور نہ اس نے یقین کی صورت اختیار کی۔

تیسرا کوئی امکان اور کوئی Alternative نہیں۔ اس کو اچھی طرح ذہن میں رکھئے۔ اب ذرا غور کیجئے۔ ایک شخص اس کائنات کو کوئی اتفاقی حادثہ نہیں سمجھتا، کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں سمجھتا، کسی رام کی لیلا نہیں جانتا، بلکہ ایک خدائے واحد، علیم و خبیر، قدیر و حکیم، کی اس کائنات کو تخلیق سمجھتا ہے۔ اپنے متعلق یہ نہیں سمجھتا کہ میں یونہی اچانک اور بلا مقصد وجود میں آگیا ہوں، بلکہ سمجھتا ہے کہ میرا ایک خالق ہے جس نے مجھے بالحکمت پیدا کیا ہے اور بالحق پیدا کیا ہے۔ اسے یہ یقین بھی ہے کہ اصل زندگی موت کے بعد کی زندگی ہے، اصل فیصلے وہاں ہونگے بار حیثیت کا معاملہ تو وہاں طے ہوگا۔ اسے اس بات کا ایقان بھی ہے کہ میری راہنمائی کے لئے میرے اس خالق نے ایک سلسلۂ وحی و نبوت اور رسالت جاری فرمایا ہے اور کتابیں نازل کی ہیں۔

اگر واقعتاً یہ باتیں ذہن میں جم جائیں، فکر میں رچ بس جائیں اور اگر واقعتاً ان باتوں پر دل میں یقین پیدا ہو جائے تو کیا اس کی ماقبل اور مابعد کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق واقع نہیں ہونا چاہئیے۔ کہاں وہ سوچ اور کہاں یہ سوچ! کہاں یہ خیال کہ اتفاقی حادثہ اس کائنات

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اور اس کے موجودات کی تخلیق کا باعث ہے اور کہاں یہ خیال کہ نہیں بلکہ ایک علیم وخبیر، قدیر وحکیم ہستی نے اس کائنات اور موجودات کو پیدا کیا ہے۔ کہاں یہ خیال کہ موت پہ زندگی ختم۔ کوئی حساب وکتاب، جزا وسزا، کوئی حشر ونشر نہیں۔ اور کہاں یہ خیال کہ موت تو دراصل حقیقی زندگی کا شاہد رہ ہے۔ یہاں سے آغاز ہوتا ہے اصل اور حقیقی زندگی کا۔ کہاں یہ خیال کہ ہم تو بس اپنی جبلّت کے غلام ہیں۔ یا جو کچھ ہماری عقل میں آجائے، اس کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ اور کہاں یہ خیال کہ نہیں، میری ہدایت ورا ہنمائی کا سامان تو وہ ہے جو میرے خالق اور میرے رب کی طرف سے کر دیا گیا تو معلوم ہوا اس زاویۂ فکر اور نقطۂ نظر سے عمل میں مشرق ومغرب کا فرق واقع ہو جانا چاہیئے ــــ اسی بات کو اس رکوع میں مختلف پہلوؤں سے بیان کیا جا رہا ہے۔ اس تمہید کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب دوسرے رکوع کا مطالعہ شروع کیجئے۔ فرمایا " مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اگر خدا کو مانتے ہو، علیم خدا کو، خبیر خدا کو، حکیم خدا کو مانتے ہو تو اس ماننے اور تسلیم کرنے سے پہلی بات یہ لازم آئے گی " کہ نہیں پڑتی کوئی پڑنے والی (مصیبت) مگر اللہ کے اذن سے "۔ یہ لفظی ترجمہ ہوا۔ یعنی کوئی مصیبت، کوئی تکلیف، کوئی نقصان، کوئی حادثہ، کوئی موت، کوئی بھی وہ افتاد جو تم کو ناخوش گوار اور ناپسند ہو ظاہر بات ہے کہ وہ بغیر اذن خدا وارد نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ خدا قادر ہے، وہی اس کائنات کے نظام کا مدبّر ہے، وہ ہی اس کو چلا رہا ہے تو اس کے اذن کے بغیر کوئی واقعہ کیسے ظہور میں آجائے گا! جو کچھ ہوا یقیناً اسی کے اذن کے تحت ہوا۔ اگر تمہیں یہ معرفت حاصل ہو گئی اور یہ بات بھی تم جانتے ہو کہ اس کے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے۔ بیدہ الخیر۔ اس کی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں۔ ہم ان کو سمجھ نہیں سکتے۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ کس کام میں کیا مصلحت وحکمت ہے۔ اس یقین وایقان کے ساتھ ایمان کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تسلیم ورضا کی کیفیت پیدا ہونی چاہیئے۔ لہٰذا آگے فرمایا " وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ " اور جو کوئی واقعتاً اللہ پہ ایمان لاتا ہے، اللہ اس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے " کس بات کی ہدایت دیتا ہے؟ تسلیم ورضا کی ہدایت دیتا ہے۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے، یہ خو پیدا کر دیتا ہے اور کہ ہر چہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است۔ میرا پروردگار میرے لئے جو بات بھی طے کر دے، جو بھی اس کا فیصلہ ہو، وہ مجھے منظور ہے۔ وہ میرا مولیٰ ہے، آقا ہے، میرا پروردگار ہے۔ میرا مالک اور خالق ہے۔ مجھے

© rasailojaraid.com

اس کا ہر فیصلہ بسر و چشم قبول ۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کیفیت ہونی چاہیئے کہ ؏

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت — سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی ۔

تسلیم و رضا کی یہ کیفیت جب تک انسان میں پیدا نہیں ہوتی، اس وقت تک حقیقت ایمان سے وہ بہت بعید ہے ۔ یَہۡدِ قَلۡبَہٗ ط کی اس شرح میں ممکن ہے کہ آپ حضرات یہ سمجھیں کہ میں نے کچھ تجاوز کیا ہے ۔ عبارت میں اتنی گنجائش نہیں ہے ۔ تو بطور شہادت ام المسبحات سورہ حدید کی دو آیتیں پیش کرتا ہوں جس میں اس مضمون کو کھول دیا گیا ہے اور بڑے ہی شرح و بسط کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے ۔ چنانچہ فرمایا : مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا ط اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ۚۖ لِّکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰکُمۡ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِۣ ۙ "کوئی مصیبت نہیں آتی نہ زمین پر نہ تمہاری جانوں میں نہ باہر کے حوادث آتے ہیں اور نہ ہی تمہارے جسم میں کوئی اختلال، کوئی بیماری، کوئی عارضہ، کوئی مرض اور کوئی خرابی آتی ہے مگر یہ کہ وہ پہلے سے طے شدہ ہے 'ایک کتاب میں درج ہے فیصل شدہ ہے' اس سے پہلے کہ ہم اس کو اس دنیا میں ظاہر کریں" اور اگر تم یہ سوچو کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے تو ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ۝ "یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے" اللہ کو تم نے قدیر مانا ہے، اللہ کو تم نے بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ مانا ہے ۔ ——— لہٰذا خدا کی قدرت اور خدا کے علم سے باہر کوئی چیز کیسے ہو سکتی ہے ؟

خدا کا علم کسی کام کے ظہور پر مبنی نہیں ہے ؛ بلکہ خدا کا علم تو اپنی جگہ علم قدیم ہے ۔ یہ بات کیوں فرمائی گئی ؟ وہاں اس کو کھول دیا لِکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰکُمۡ ط تا کہ تم افسوس نہ کیا کرو اور نہ غم کھایا کرو، اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، یا تمہارے ہاتھ نہ لگے اور جو کچھ خدا تمہیں دے دے اس پر اترایا نہ کرو، شیخی نہ کیا کرو" اس لئے کہ یہ دونوں حالتیں دراصل آزمائش کی حالتیں ہیں، دونوں امتحان کی حالتیں ہیں کبھی وہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی وہ چھین کر آزماتا ہے ۔ کبھی وہ تمہیں اولاد دے کر آزماتا ہے کہ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ، اور کبھی اولاد لے کر آزماتا ہے کہ تم صبر کرتے ہو کہ نہیں کرتے اور جس طرح اس کی دین پر راضی ہوئے تھے اس کے لین پر بھی اسی طرح مطمئن ہو کہ نہیں ۔ اسی بات کو سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۶ میں صابرین کی صفت بیان

© rasailojaraid.com

کرتے ہوئے فرمایا" اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○ ان صابر بندوں پر جب کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے (مال اور بندے) ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔۔۔ یہ نتیجہ ہونا چاہیئے ایمان کا کہ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط اور مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط کوئی نہیں پڑتی پڑنے والی مگر باذن ربّ اور اگر یہ یقین ہو جائے کہ جو حوادث پیش آرہے ہیں، جو مجھ پر بیت رہی ہے وہ بہرحال اذنِ رب سے ہو رہا ہے اور ان کے ظہور سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فیصل شدہ درج کر رکھا ہے۔ اس کو ذرا اچھی طرح تفصیل کے ساتھ سمجھ لیجیے۔ مبادا کوئی اشکال پیدا ہو۔ ہر چیز جو آپ پر وارد ہوتی ہے اس میں دو اجزاء ہوتے ہیں۔ ایک جز تو یہ ہے کہ کسی نے آپ کے ساتھ برائی کرنا چاہی۔ اور دوسرا جز یہ ہے کہ وہ برائی فی الواقع آپ پر واقع ہو جائے۔ ان دو اجزاء میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کسی نے پتھر اٹھا کر آپ کو مارا۔ یہ ایک مرکب عمل کا ایک پہلو ہے۔ ـــــــ اس معاملے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ پتھر واقعی آپ کو آ کر لگ گیا۔

وہ شخص جس نے پتھر مارا، پتھر مارنے کا مجرم ہے۔ اس کی سزا وہ خدا کے ہاں پائے گا۔ لیکن پتھر کا آکر آپ کو لگ جانا، یہ اذنِ رب پر منحصر ہے۔ اب آپ اس پتھر کے لگنے کو دو طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص نے مارا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے مارا۔ اگر یہ کہیں گے کہ اس شخص نے مارا تو اشتعال پیدا ہوگا، غصہ آئے گا، قصاص ہوگا، بدلہ ہوگا۔ دنیا کا قانون اور معاملہ اسی پر چلے گا۔ لیکن اگر یہ چیز پیشِ نظر رہے کہ خدا کی منشاء تھی، مرضی تھی، اور یقیناً اس میں کوئی حکمت ہے، کوئی مصلحت ہے، کوئی خیر ہے۔ تب آپ سوچیئے کہ کیسا سکون پیدا ہو گا؟ نہ طبیعت میں انتشار ہے، نہ اشتعال ہے، نہ غصہ ہے، نہ انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے کہ اگر بدلہ پر قادر نہیں ہیں تو اندر ہی اندر سلگ رہے ہیں۔ یہ ساری مصیبتیں دور ہو گئیں تھیں۔ اس علم سے کہ مجھے پتھر خدا کے مارے لگا ہے۔ اور اس نے مارا ہے تو هُوَ مَوْلٰنَا۔ سورۃ توبہ میں اس موقعہ پر آیا ہے کہ جب مسلمانوں کو کوئی تکلیف، کوئی مصیبت، کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو منافقین خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے اسی لئے پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کر لیا تھا اور اس موقعہ پر شرکت سے گریز کیا تھا۔ ان کے اس زعمِ باطل کے جواب میں حضورؐ کو حکم ہوا کہ، "قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ج هُوَ مَوْلٰنَا" اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے ہم پر کوئی مصیبت نہیں آسکتی، نہ کوئی حادثہ پڑ سکتا ہے، مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے (پہلے سے) مقدر فرمادیا ہے، اور وہ ہمارا مولا ہے۔ مالک ہے، آقا ہے۔ ہمارا پشت پناہ ہے، ہمارا ہم سے بڑھ کر خیر خواہ ہے اور ہماری مصلحتوں پر ہم سے زیادہ مطلع ہے۔ لہٰذا ہم راضی برضا ہیں۔ اس کی کسی بات پر اضطراب ہو تو کیوں ہو؟ اور پریشانی ہو تو کیوں ہو؟ یہ ہے حقیقتِ اولیٰ ــــ میں نے جو پتھر مارنے کا تجزیہ پیش کیا ہے، میں نے کسی درویش سے ایک درویشانہ انداز میں واقعہ سنا تھا کہ ایک درویش جا رہا تھا اور یہ صدا لگا رہا تھا "جو رب کرے سو وہ ہو، جو رب کرے سو وہ ہو" ــــ ایک شخص نے اٹھا کر اسے ایک پتھر مارا۔ درویش نے مڑ کر دیکھا وہ کہنے لگا، مجھے کیوں دیکھتے ہو جو رب کرے سو وہ ہو"۔ انہوں نے کہا مجھے تو یہ پتھر لگا ہے، خدا ہی مارے لیکن میں یہ دیکھ رہا تھا کہ بیچ میں منہ کس کا کالا ہو گیا۔ تم نے تو اپنے لئے عذاب کما لیا ہے۔ تمہیں تو جواب دہی کرنی پڑے گی۔ مجھ تک جو یہ پتھر آ پہنچا ہے اور میرے سر کو آ لگا ہے۔ یہ یقیناً میرے رب کی طرف سے ہے اور میں اس پر مطمئن ہوں۔ لیکن تم نے اپنے حق میں جو کانٹے بوئے ہیں۔ تم اس کی فکر کرو۔ یہ ہے مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ ایک بات یہاں اور سمجھ لیجئے۔ ہمارا دنیوی نظام جتنا ہے، اس کا پہلے "عمل" پر مدار ہوگا جس نے پتھر مارا ہے، آپ اسے قصاص میں پتھر مار سکتے ہیں۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ط اس دنیا کا نظام تو برقرار ہی رہے گا، قصاص کے اصول پر، یہاں یہی ضابطہ رائج ہوگا۔ کہ سزا دو، بدلہ لو، قصاص لو، وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ ہر زیادتی کے لئے قصاص ہے۔ قصاص کے ساتھ یہ نظام قائم رہے گا ورنہ اشرار کو کھلی چھٹی مل جائے گی۔ لیکن یہ گفتگو کی بالکل دوسری سطح ہے۔ پہلی سطح یہ ہے کہ آپ اپنے باطن میں کیا سمجھتے ہیں؟ آپ کا معاملہ اپنے رب کیساتھ ہے؟ آپ نے اس کائنات میں حوادث کے بارے میں کیا نقطہ نظر اختیار کیا ہے؟ آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی اپنے اختیار سے آپ کو پتھر مار سکتا ہے؟ یہ خیال ایمان باللہ کے منافی ہوگا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ بغیر اذنِ رب یا علمِ رب

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کوئی حادثہ وقوع میں آسکتا ہے؟ یہ تو خدا کا انکار ہو گیا۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان کے حقائق اور ہیں اور قانون کی بنیاد جن چیزوں پر قائم ہوتی ہے وہ بالکل دوسری چیزیں ہیں۔ اسی قصاص کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ " وَاَنْ تَعْفُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ۔ اگر تم معاف کر دیا کرو تو تمہارے لئے اس میں بہت بھلائی ہے۔ اس پر تمہیں خدا کے ہاں اجر ملے گا۔۔۔ لیکن اصل اصول وہی رہے گا۔ کہ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیَاۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ۝ قصاص کے اندر ہے زندگی اور عافیت، یہاں کا جو نظام ہے، وہ قصاص پر مبنی ہوگا تو ٹھیک چلے گا، ورنہ بگڑ جائے گا۔ یہ تضادات ہیں جن کو صحیح طور پر جب فکر میں جمع کیا جاتا ہے تب جا کر کہیں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک طرف قصاص ہے، اس کی اپنی اہمیت ہے۔ ایک طرف عفو ہے اس کا اپنا مقام ہے۔ دونوں کے محل مختلف ہیں پس فرمایا " مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ط وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور اللہ تو یقیناً ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ کوئی چیز اس کے علم کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت علم پر اس درس میں بھی تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے، اس کو ذہن میں رکھئے۔ تو ایمان کی دعوت کے قبول کرنے کے بعد سب سے پہلی تبدیلی تو یہ ہوئی کہ جو کچھ انسان پر بیتے۔ اس پر شکوہ و شکایت اگر پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ طبیعت کے اندر اگر انقباض بھی پیدا ہو گیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ تو معلوم ہوا کہ خدا کے ساتھ ابھی وہ اصل رابطہ پیدا نہیں ہوا۔ ابھی تک اس کے ساتھ جو اصل تعلق ولایت ہے، جو حاصل ایمان ہے، وہ ابھی وجود میں نہیں آیا ہے اگر یہ کیفیت ہے کہ تم نے محسوس کیا کہ تم کچھ اور چاہتے ہو۔ خدا نے کچھ اور کر دیا۔ دوئی ہو گئی۔ جب تک اپنی چاہت کو، اپنی پسند کو تج کر راضی برضائے مولا نہ ہو جاؤ گے، ایمان کا ذائقہ نہ چکھ سکو گے۔ کہ ہر چہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است۔ میرے پیالے میں میرا ساقی جو بھی ڈال دے، وہ لطف و کرم ہے، اس کا فضل ہے جو اس کی مرضی، جو اس کا فیصلہ، یہاں تو سر تسلیم خم ہے اور یہ انداز جو ہے کہ ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف۔ کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور۔ یہ انداز ایمان باللہ کے منافی ہے۔ شعر اچھا ہو کوئی داد دینا چاہے دے لے لیکن بہرحال یہ سارا فکر، فکر ایمانی سے قطعاً متضاد ہے۔ یہ جو لوگ آسمان کو مخاطب کر کے گالیاں دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نام دھرتے ہیں۔ فلکِ ناہنجار کہہ کر، فلک کج رفتار کہہ کر، چرخِ نیلی فام کہہ کر اور نہ جانے کیا کیا کہہ کر، تو درحقیقت اس پردے میں (نعوذ باللہ) اللہ کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ لَا تَسُبُّوا الدَّھْرَ، اس دھر کو گالیاں مت دیا کرو، بیوقوفو! اس طرح خدا کو گالیاں دے رہے ہو۔ اس لئے کہ دہر تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ جو کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے اور جسے تم دہر سے منسوب کر رہے ہو وہ تو خدا کا عمل ہے۔ اس کا فیصلہ ہے۔ لَا تَسُبُّوا الدَّھْرَ فَاِنَّ الدَّھْرَ ھُوَ اللّٰہُ، جو کچھ تم دہر سے منسوب کرتے ہو، وہ درحقیقت خدا کی قضا و قدر ہے۔ خدا کی مشیت ہے، خدا کا حکم ہے۔ تو یہ گالیاں کس کو دی گئیں، ناہنجار کون ہوا! کج رفتار کون ہوا! فلکِ پیر کون ہوا! ـــــ ایک آیت میں ایک بات بیان ہو گئی۔ یہ مقامات ہیں کہ جن پر صوفیاء نے بحثیں کی ہیں ان امور پر گفتگو آپ کو فقہ کی کتابوں میں نہیں ملے گی۔ یہ باتیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں، لیکن قرآن و حدیث سے فقہاء نے وہ باتیں لی ہیں، جو قانون، احکام اور تعزیر سے متعلق تھیں۔ ان رموزِ عارفانہ سے انہوں نے بحث نہیں کی ہے، اس لئے کہ ان کو قانون سے بحث و گفتگو کرنی تھی اور قانون کا دائرہ ہی اور ہے۔ ان امور پر گفتگو کی ہے ان علماء اور اولیاء نے جنہیں انسان کے باطن کی فکر تھی۔ لہٰذا حقیقتِ ایمان سے بحث ان بزرگوں نے کی ہے۔ مقامِ شکر کیا ہے؟ مقامِ صبر کیا ہے؟ مقامِ تسلیم و رضا کیا ہے؟ راضی برضاءِ رب کا تقاضا اور مقام کیا ہے؟ ان تمام مقامات سے بحث انہوں نے کی ہے۔ ہر ایک کا دائرہ کار مختلف ہے اور اپنے قلوب کو، اپنے اذہان کو کشادہ اور وسیع کیجئے کہ ہر طرف سے جو کار آمد و مفید چیز ملے وہ لے لیجئے۔ کوئی تعصب اگر حائل ہو گیا، نقصان اپنا ہے۔ ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ سارا جو نقصان ہے وہ ہمارا اپنا ہے۔

اب دوسری طرف آئیے۔ آپ انسانی شخصیت کا تجزیہ کیجئے۔ ایک "انا" "ایک نفسِ انسانی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو یہ کہ جو کچھ اس پر وارد ہوتا ہے، کچھ حالات، واقعات، حوادث، خوشگوار ہوں یا ناخوشگوار، اس کو چھوڑ دیجئے۔ تو کچھ تو اس پر وارد ہوتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ کہ کچھ اس سے صادر ہوتا ہے۔ کچھ افعال، کچھ اقوال، کچھ حرکتیں، تو ایک طرف ورود ہے اور ایک طرف صدور ہے۔ انسان کی شخصیت کے یہ دو ہی پہلو (ASPECTS) ہیں ہمارا ایک انفعالی رخ ہے اور ایک ہمارا فاعلی رُخ ہے

© rasailojaraid.com

ہے۔ کہ ہم سے کچھ صادر ہو رہا ہے۔ کچھ اعمال، کچھ افعال، کچھ اقوال، کچھ حرکتیں، کچھ اشارے یہ صدور ہے جو ہم سے ہو رہا ہے۔ پہلے حصّہ میں اس سے بحث کر لی کہ جو ورود کے بارے میں ہے کہ جو کچھ تم پر بیت رہا ہے، وہ اذنِ رب سے بیت رہا ہے۔ اگر خدا کو مانتے ہو، تو یہ بھی ماننا پڑے گا۔ اب صدور کا ذکر ہو رہا ہے۔ ہم سے جو کچھ صادر ہو رہا ہے، اس کے ایمان کے لازمی تقاضے کے طور پر دو نتیجے نکلنے چاہئیں۔ پہلا یہ کہ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ج خدا کو مانا، رسول کو مانا، تو اب لازم ہے کہ جو بھی عمل تم سے صادر ہو، وہ اس سانچے میں ڈھل کر صادر ہو جو اللہ اور اس کے رسول نے متعیّن کیا۔ یہ دو اور دو چار کی طرح لازمی نتیجہ ہے۔ [illegible] کو مانتے ہو۔ انہوں نے ایک نظام بنا دیا، ایک سانچہ ڈھال دیا، ہر کام کے لئے ایک شکل متعیّن کر دی ہے۔ تمہارے تمام داعیات اور مقتضیات، جو تمہاری فطرت و جبلّت اور جسم کے اندر ہیں۔ جن کا اللہ سے بڑھ کر جاننے والا کوئی نہیں۔ خالق وہ ہے لہٰذا تمہاری فطرت کا سب سے بڑا عالم وہی ہے۔ اس نے ہر داعیہ اور ہر تقاضے کا ایک حق متعین کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ تمہاری شہوت کے لئے بھی راستے کھول دیئے ہیں۔ تمہیں بھوک لگتی ہے، اس کے لئے راستے متعیّن کر دیئے، بقائے نسل کا جذبہ ہے، اس کے لئے ایک راہ مقرر کر دی۔ بقائے حیات کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ مہیّا بھی کر دی ہیں اور ان کے حصول کے لئے ضابطے اور قاعدے بھی طے کر دیئے ہیں۔ اب تمہارے کسی بھی عضو سے، تمہارے جوارح سے کوئی بھی حرکت اللہ اور اس کے رسول کے متعیّن کئے ہوئے راستے اور ان کے بنائے ہوئے سانچے کے خلاف صادر نہ ہو۔ اور اگر ہو گئی تو یہ ایمان کے منافی ہو گی۔ پھر خدا کا ماننا کہاں رہا اور رسول کا ماننا کہاں رہا۔ جو بھی تمہاری حرکت ارادی ہو، وہ اللہ اور اس کے رسول کے مطابق ہونی چاہیئے۔ قدم نہ اٹھے مگر صرف اسی راستے پر جو اللہ اور اس کے رسول کو منظور ہے اور پسند ہے، اس کی طرف سے اجازت ہے۔ ہاتھ کوئی کام نہ کریں، سوائے اس کام کے کہ جس کی اجازت ہے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔ اور یہاں اللہ اور اس کا رسول Bracketed ہیں۔ بالکل ایک ہیں وہ۔ ایک Antity ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کی اطاعت درحقیقت رسول ہی کی اطاعت کے واسطے سے ممکن ہے۔ خدا نے ہر ایک کے پاس براہ راست تو اپنی ہدایت نہیں بھیجی۔ لہٰذا یہ دو چیزیں نہیں۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ

© rasailojaraid.com

فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ اور اگر پیٹھ موڑلو گے، پیٹھ دکھا جاؤ گے، اعراض کرو گے تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑو گے اور ہمارے رسول پر بھی سوائے واضح طور پر پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اپنا حشر خود بھگتو گے انجام خود دیکھو گے، ہم تو غنی اور حمید ہیں ہی۔ اوپر بیان ہو چکا۔ فَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَی اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ؕ اور جہاں تک ہمارے رسول کا معاملہ ہے تو فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔ ہمارے رسول پر بھی سوائے پہنچا دینے کے کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ آگے تمہیں جواب دہی کرنی ہوگی۔ اپنے بھلے اور برے، اپنے نفع و نقصان کے تم خود مختار ہو اور خود ہی بھگتو گے صرف تبلیغ و تذکیر ہمارے رسول کی ذمہ داری ہے۔ وہ تم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی واضح کر چکے ہیں اور اپنے رسول سے کہہ چکے ہیں کہ "فَذَکِّرْ ط اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ ط لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ ط اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی وَکَفَرَ ۝ فَیُعَذِّبُہُ اللّٰہُ الْعَذَابَ الْاَکْبَرَ ۝ اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ ۝ اے نبی! آپ ان کی فکر میں پریشان نہ ہو جیئے۔ آپ تو ان کو یاد دہانی کراتے رہیئے۔ چونکہ آپ صرف تذکیر کرنے والے، یاد دہانی کرانے والے اور نصیحت کرنے والے ہیں آپ ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ ہاں جو روگردانی اور انکار کرے گا تو خدا اس کو (آخرت) میں بڑی سزا دے گا۔ چونکہ چار و ناچار ان کو ہمارے ہی پاس آنا ہوگا۔ پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے اور ان کے کیئے کی سزا دینا ہے۔ تو ہم سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں، ان کے بارے میں ایک چیز تو یہ لازم ہو گئی کہ اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کا قلادہ گردن پر پڑا رہے۔ اس سے کوئی مفر ممکن نہیں۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہو گیا کہ جو کچھ کرو گے اور کرنا چاہو گے ظاہر بات ہے کہ انسان جو حرکت کرتا ہے وہ کسی مقصدِ معیّن کے تحت کرتا ہے۔ اگر بے مقصد کر رہا ہے تو اس کو دیوانگی اور پاگل پن کہا جائے گا۔ ہر حرکت کے پیچھے کوئی نہ کوئی ارادہ ہوتا ہے۔ کچھ نہ کچھ مقاصد (MOTIVES) ہوتے ہیں کسی نہ کسی چیز کے حصول کے لئے ہاتھ حرکت کرتے ہیں، پاؤں حرکت کرتے ہیں تو اس بات میں بھی ایمان کے لازم کے طور پر اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا کہ مجرّد اپنے ارادے اور اپنی قوّت اور کسی بھی مادی ذریعہ اور اسباب و وسائل کے بل پر تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے، جب تک خدا نہیں چاہے گا۔ اس کا نام ہے توکّل۔ کبھی بھی یہ فریبِ نفس ہو گیا کہ میں جو چاہوں گا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کروں گا۔ تو یہ ایمان کے منافی ہے۔ وہ شخص محجوب ہے۔ اس وقت جب وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں اپنے ارادے سے کچھ کر لوں گا۔ اسے پتہ ہی نہیں کہ یہاں ارادہ چلتا ہے صرف خدا کا۔ مشیّت کارفرما ہے، صرف اس کی۔ مجرّد اپنی مشیّت اور اپنے ارادہ سے کچھ نہیں کر سکتے۔ اپنی انگلی تک کو حرکت نہیں دے سکتے۔ اگر یہ خیال ہے کہ میں جب چاہوں اپنی مشیّت سے، اپنے ارادے سے، اپنی قوت سے اپنے کسی عضو کو حرکت دے سکتا ہوں تو یہی کفر ہے۔ کفر کا اور اسلام کا جو معاملہ ہے، وہ بڑا مختلف ہے۔ ایک درویش نے کہا ہے، بڑے عجیب انداز میں، کہ "جو دَم غافل سو دم کافر" کفر کی ایک یہ تعبیر بھی ہے جو وقت انسان پر غفلت کا گذر گیا، اسے یاد نہ رہا کہ خدا بھی ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔ درحقیقت وہ جو سانس ہے اس کا، وہ ایک حالت کفر میں نکلا۔ توکّل جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ انحصار، دار و مدار، بھروسہ اور تکیہ سوائے خدا کے اور کسی چیز پہ نہ ہو۔ توکّل اسباب اور ذرائع و وسائل سے مستغنی ہو جانے کا نام نہیں۔

اسباب سب فراہم کرو، جو قاعدے اور ضابطے ہم نے مقرر کئے ہیں، ان کے مطابق ہر چیز کا اہتمام کرو۔ جیسے کہ حضورؐ نے تعلیم دی کہ "پہلے اونٹ کی نکیل کو باندھو پھر اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ دو"، لیکن اگر یہ خیال ہو گیا کہ مجرد ان اسباب و وسائل سے اور جوارح سے کوئی کام ہو جائیگا۔ تو یہ درحقیقت اس ایمان کے منافی ہوگا اس مفہوم کو ذہن میں رکھئے اور پھر اس آیت کا مطالعہ کیجئے۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ اللہ ہی ہے حقیقی مالک و معبود۔ اس کے سوا کوئی معبود اور مالک و آقا نہیں۔ یہاں اِلٰہ کا جو پہلو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ اس کے سوا یہاں کسی کی مشیّت کارفرما نہیں۔ اگر دو مشیّتیں ہو گئیں تو یہی شرک ہوگا۔ میں نے آپ کو بتایا تھا، جب میں سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے درس کے ضمن میں شرک کی توضیح کر رہا تھا کہ حضور اکرمؐ نے اسی لئے ٹوک دیا تھا، جب ایک شخص نے کہا تھا۔ "مَا شَآءَ اللّٰہُ وَمَا شِئْتَ" جو خدا چاہے اور آپ چاہیں۔ آپؐ نے فوراً روک دیا اور فرمادیا۔ اَجعلتنی لِلّٰہِ نِدًّا۔ کیا تو نے مجھے خدا کا مدمقابل بنا دیا؟ یہاں مشیت صرف ایک کارفرما ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ جملہ ہے، ان نصیحتوں میں جو انہوں نے بوقتِ رحلت اپنے بیٹے کو کی ہیں کہ "اے میرے بیٹے اس بات کو

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جان لے کہ لَا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَۃِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہُ " اللہ کے سوا فی الواقع فاعل اور مؤثر اور کوئی نہیں " کسی چیز میں بھی کوئی تاثیر آزادانہ نہیں ہے۔ ہر تاثیر کا ظہور اذنِ رب کے تحت ہوتا ہے۔ آگ نہیں جلا سکتی جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو۔ پانی تمہاری پیاس کو نہیں بجھا سکتا۔ جب تک کہ اذنِ رب نہ ہو۔ ہر لقمہ جو تمہارے حلق سے نیچے اترتا ہے، اذن رب کا طالب ہوتا ہے کہ میں اس کے حق میں غذا کا کام کروں یا زہر کا کام کروں۔ کسی چیز کی ذاتی تاثیر نہیں ہے اور کوئی چیز نتیجہ خیز اور بار آور نہیں ہو سکتی جب تک کہ خدا نہ چاہے۔ یہی سبق دیا گیا ہے غزوہ حنین کے موقع پر۔ " وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ " غزوہ حنین کا واقعہ یاد کرو جب تم بڑی کثیر تعداد میں تھے اور تم سوچتے تھے کہ جب ہم تین سو تیرہ ہوتے تھے تو جب کوئی ہمارا راستہ نہ روک سکا۔ تو آج تو ہم ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ بارہ[۱۲]، تیرہ[۱۳] ہزار کا لشکر اور بعض روایتوں میں تیئس[۲۳] ہزار تک کا لشکر آتا ہے کہ اس وقت حضورؐ کے ساتھ اور ہمرکاب اتنی بڑی تعداد ــــــ تو بعض مسلمانوں کو خیال ہو گیا کہ اب کون آئے گا ہمارے مقابلے پر۔ پس پہلے ہی ہلّے میں تیر اندازوں کے تیروں کی جو بوچھاڑ آئی ہے تو وہ بھگدڑ مچی ہے کہ روایات کے اندر آتا ہے کہ چند جاں نثار صحابہ کرامؓ ساتھ رہ گئے تھے اور مجبوراً خود حضورؐ کو سواری سے اترنا پڑا۔ جھنڈا اپنے ہاتھ میں تھاما اور خود رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے "انا النبی لا کذب۔ انا ابن المطلب۔ کس لئے؟ وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ " تمہاری کثرت کام آئی؟ تعداد کام آئی؟ زمین اس روز تنگ نظر آنے لگی۔ یہ سبق اس لئے سکھایا گیا کہ کبھی بھی تمہارا توکل، تمہارا انحصار، تمہارا تکیہ اور تمہارا بھروسہ اسباب اور وسائل پر نہ ہو۔ یہی وہ معاملہ ہے کہ جس پر ایک مرتبہ خود حضورؐ کو ٹوک دیا گیا تھا۔ لوگوں نے حضورؐ سے اصحابِ کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کئے۔ حضورؐ نے فرمایا: کل جواب دے دوں گا۔ ان شاء اللہ نہیں کہا۔ استثناء نہیں کیا۔ اب وحی نہیں آ رہی، حضرت جبرئیلؑ تشریف نہیں لا رہے۔ پوزیشن کتنی Critical اور نازک ہو گئی، یہ بھی ذرا سوچئے کہ وہ سوال کرنے والے روز آ کر کس طرح پریشان کرتے ہوں گے۔ جب جواب لے کر حضرت جبرئیلؑ اترے ہیں تو اس میں یہ ہدایت بھی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

آتری ہے کہ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ز کسی کام کے بارے میں کبھی نہ کہنا کہ میں یہ کام کل کروں گا مگر یہ کہ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ اس قید کے ساتھ کہہ سکتے ہو، علی الاطلاق نہیں کہہ سکتے۔ عام آدمی کہے تو کوئی بات نہیں، بعض چیزیں عوام کے لئے ٹھیک ہیں۔ ان کی ذہنی سطح کے مطابق ان سے معاملہ ہوگا۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ط لیکن "حسناتُ الابرار سیّئاتُ المقرّبین" کے لئے درست نہیں۔ ایک ہی چیز ہے لیکن ایک سطح (Level) پر اس کا حکم اور ہے، دوسری سطح پر حکم بدل جاتا ہے۔ کسی مردِ عارف کی زبان پر یہ کلمہ اگر اس طرح آجائے کہ [illegible] ہو تو یہ اس کے لئے ہرگز نہیں۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہ یہاں ایک اعتبار سے ایمان کے ثمرات و نتائج کا بیان مکمل ہوگیا

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com

الہدیٰ
کیسٹ سیریز
ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)
کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر مشتمل
تنظیم اسلامی
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
کراچی آفس: ۱۱، داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی
نشر القرآن
کیسٹ سیریز

© rasailojaraid.com